



قوانین کی بہتات

مفتی منیب الرحمن

گزشتہ دنوں چیف جسٹس آف پاکستان عزت مآب جسٹس انور ظہیر جمالی نے ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا: ”قوانین کی بہتات نے صورت حال کو کنفیوژ کر دیا ہے اور نظام عدل کو پیچیدہ بنا دیا ہے، اُن کی یہ بات سو فیصد درست ہے۔ اس کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آیا، وہ یہ ہے کہ عدل و انصاف قوانین کے انبار تلے کہیں دب گیا ہے۔ حالانکہ اصل مسئلہ ایک ہی عنوان پر قوانین کی بہتات نہیں ہے، بلکہ قوانین کا نفاذ، قانون کی حکمرانی اور عدل و انصاف کی فراہمی ہے۔

ہمارے ہاں قتل اور خواتین پر جبر کے حوالے سے مختلف عنوانات کے ساتھ اتنے قوانین بنا دیے گئے ہیں کہ انصاف کو ان قوانین کے جنگل اور جھاڑ جھنکار میں تلاش کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی ان عنوانات کے تحت اتنی تعداد میں قوانین مرتب نہیں کیے گئے۔ مثلاً قتل ایک جرم ہے، اُس کی سنگینی اور سزا قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے: (۱) ”اسی سبب ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے جان کے بدلے (یعنی قصاص) اور زمین میں فساد برپا کرنے (کے جرم) کے بغیر کسی (بے قصور) جان کو قتل کیا، تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی (بے قصور) شخص کی جان کو بچایا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچالیا، (المائدہ: 32)۔“ (۲) ”اور ہم نے اُن پر (تورات میں) یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان، دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بھی قصاص (بدلہ) ہے، (المائدہ: 43)۔“ (۳) ”اور اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلہ لینے میں زندگی ہے تاکہ تم (قتل ناحق سے) بچو، (البقرہ: 179)۔“ (۴) ”اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں (قتل و غارت اور لوٹ مار کے ذریعے) فساد برپا کرتے ہیں، اُن کی یہی سزا ہے کہ اُن کو چُن چُن کر قتل کیا جائے یا اُن کو سولی دی جائے یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا اُن کو زمین سے اٹھالیا جائے، یہ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے، (المائدہ: 33)۔“

الغرض قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کا حکم واضح ہے۔ قتل، خواہ کسی عنوان سے کیا جائے یا اُس کے لیے کوئی بھی صورت اختیار کی جائے، اُس کے لیے حکم الہی ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام کا ”قانون قصاص“۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایک بے قصور انسانی جان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل اور ایک بے قصور جان کے تحفظ کو پوری انسانیت کے حق حیات کے تحفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس میں نفس یعنی جان کا مطلق ذکر فرمایا ہے اور مسلم و غیر مسلم کی تفریق بھی روا نہیں رکھی۔ البتہ جہاں قتل و غارت، لوٹ مار اور آبروریزی الغرض تمام جرائم جمع ہو جائیں، تو اُس کی سزا اللہ تعالیٰ نے سب سے سخت مقرر فرمائی ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ اور اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کے لیے کئی قسم کی عبرت ناک سزائیں مقرر فرمائی ہیں تاکہ امن کے دشمن اور سنگین مجرم نشانِ عبرت بنیں اور انسانیت کو امان ملے۔ سو جرم کی سنگینی کے اعتبار سے کئی سزائیں جمع بھی کی جاسکتی ہیں۔

اگر آپ دنیا کے قوانین کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی قتل، قتل ہی ہے اور اس کی سزا متعین ہے، البتہ انہوں نے دہشت گردی کے لیے شہادتوں اور ثبوت کے معیارات میں تخفیف کردی ہے اور امریکا نے تو اپنے ملک کی سرحدوں سے باہر ”گوانتانامو بے“ کا عقوبت خانہ قائم کیا تاکہ وہاں پر امریکی قوانین کا اطلاق نہ ہو سکے اور ملزموں یا مجرموں پر امریکی قوانین اور نظام عدل سے ماوراء تشدد کیا جاسکے۔

اس کے برعکس ہمارے ملک میں جب سے خواتین کو، سیاسی جماعتوں کی نمائندگی کے تناسب سے، بالواسطہ انتخاب کے ذریعے بڑی تعداد میں پارلیمنٹ اور منتخب اداروں میں شامل کر دیا گیا ہے اور این جی اوز کی بیگمات کا جم غفیر وجود میں آ گیا ہے تو محض نمبر گیم اور نام و نمود کے لیے قوانین کا انبار لگ گیا ہے۔ آئے دن مختلف عنوانات سے قوانین بنائے جاتے ہیں، کبھی غیرت کے نام پر قتل یا خواتین پر تیزاب پھینکنے یا مختلف طرح کے جبر و تشدد کے عنوانات کے تحت الگ الگ قوانین بنائے گئے ہیں اور یہ سلسلہ ماشاء اللہ جاری و ساری ہے۔ اسلام میں اور انسانی فلسفہ قانون میں مرد اور عورت کی جان کی حیثیت یکساں ہے، خواہ کسی بھی طریقے سے قتل کیا جائے یا کسی بھی نوع کا تشدد کیا جائے، ظالم مرد ہو یا عورت، قانون ایک ہی ہے اور وہ ہے ”قانون قصاص“۔ بلاشبہ خواتین تشدد کا نشانہ مردوں کی بہ نسبت زیادہ بنتی ہیں، لیکن ہماری حالیہ تاریخ بتاتی ہے کہ جرائم میں عورتوں کا تناسب بھی بڑھ گیا ہے اور وہ کئی وارداتوں میں مردوں اور اپنے بچوں کے قتل کی سازش میں بھی شریک گردانی گئی ہیں۔ یہ آزاد میڈیا کا فیضان ہے کہ اس کے ذریعے خوفناک جرائم پر مشتمل ڈرامے، فلمیں اور کہانیاں عام کر دی گئی ہیں۔ ایسے خوفناک مناظر، جن کو دور ہی سے دیکھ کر لوگ آنکھیں بند کر لیتے تھے اور اپنا رخ کسی اور جانب موڑ دیتے تھے، الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے لوگوں کے لیے مانوس ہو گئے ہیں۔ ان خوفناک مناظر کو دیکھ کر مردوں اور عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے ذہنوں سے ان کا خوف نکل گیا ہے اور انسانیت کے آزار و اذیت کو ہمارے میڈیا نے لذت نظر میں بدل دیا ہے۔

ان بیگمات کا تعلق زیادہ تر معاشرے کے اعلیٰ طبقے یعنی اشرافیہ سے ہے۔ این جی اوز کی تعلیم یافتہ بیگمات اگر ابتدا میں اشرافیہ سے تعلق نہ رکھتی ہوں، پھر بھی عالم غیب کے فیضان سے یہ سفر ایک ہی جست میں طے کر لیتی ہیں۔ اس لیے کہ کیری لوگر بل کے تحت پاکستان کے لیے چار ارب ڈالر کی امداد منظور کی گئی تھی، اس میں سے کچھ نقد امداد اور کچھ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں Coalition Support Fund کی صورت میں دی جا رہی تھی۔ اس میں سے تیس فیصد کے بارے میں کہا گیا تھا کہ حکومت کی مداخلت سے ماوراء سوشل سیکٹر کے ذریعے یہ امداد خرچ کی جائے گی اور اس کی مقدار پاکستانی کرنسی میں تقریباً سو کھرب بنتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امداد این جی اوز کے ذریعے خرچ ہو رہی ہوگی اور اس سے بہتوں کا بھلا ہو رہا ہوگا۔ لہذا تمویل کے اعتبار سے ان کا ارتقاء اور اشرافیہ کا حصہ بننا ناگزیر ہے۔

دنیا میں قوانین اپنے معاشرے کی دینی و سماجی اقدار اور اپنی روایات کو پیش نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زمین اور اہل وطن سے جڑے ہوتے ہیں، انہیں درجہ قبولیت ملتا ہے، وہ باعث نزاع نہیں ہوتے، ان کا نفاذ آسان ہوتا ہے اور وہ عدالتوں میں ضوابط کار کی پیچیدگیوں کا شکار نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس باہر کی دنیا کو خوش کرنے اور اپنے آپ کو لبرل ثابت کرنے کے لیے جو قوانین بنائے جاتے ہیں، وہ زمین سے جڑے نہیں ہوتے، فضا میں مُعلق ہوتے ہیں اور عدل و انصاف کی فراہمی کو مزید پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ جس لبرل ازم، آزاد روی اور آزاد خیالی کی منزل تک اہل مغرب نے اپنا سفر

صدیوں اور دہائیوں میں طے کیا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک نل میں وہ سفر طے ہو جائے، دنیا میں واہ واہ ہو جائے، ہر طرف سے داد ملے، این جی اوپر سرمایا خرچ کرنے والی حکومتیں اور ادارے مطمئن ہو جائیں کہ اُن کا گوہر مقصود ہاتھ آ گیا ہے، لیکن یہ قوانین فیض رساں ثابت نہیں ہوتے اور معاشرے میں ظلم و ستم اور بے انصافی کی صورت حال میں عملی اعتبار سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ اس کی مثال حال ہی میں صوبہ پنجاب کا ”تحفظ نسواں ایکٹ“ ہے، جس کی رو سے خواتین کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنے زیادتی کرنے والے شوہروں کو گھر بدر کر سکتی ہیں، کوئی بتائے کہ قانون منظور ہونے سے اب تک کتنے شوہر گھروں سے کھدیڑے گئے ہیں۔

مولانا محمد خان شیرانی کا دم غنیمت ہے کہ ہمارے میڈیا کی رونقوں کے لیے وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی موضوع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے صوبہ پنجاب کے ”تحفظ نسواں ایکٹ“ کو یکسر رد کرنے کے بعد اپنا مسودہ قانون تیار کیا اور اُس میں عورتوں کے لیے تادیبی سزا کی گنجائش رکھی۔ اس پر میڈیا میں شور مچ گیا، علامہ جاوید احمد غامدی بھی اس کی مخالفت میں میدان اترے۔ بہتر تھا کہ وہ سورۃ النساء، آیت: 34 کے متعلقہ کلمات کا اپنے استاذ امام مولانا امین احسن اصلاحی کا یا اپنا ترجمہ سنا دیتے تو بات اتنی نہ بڑھتی۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”مرد عورتوں کے سر پرست ہیں، بوجہ اس کے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور بوجہ اس کے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے۔ پس جو نیک بیبیاں ہیں، وہ فرمانبرداری کرنے والی، رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں، بوجہ اس کے کہ خدا نے بھی رازوں کی حفاظت فرمائی ہے۔ اور جن سے تمہیں سر تابی کا اندیشہ ہو، اُن کو نصیحت کرو اور اُن کو بستر میں تنہا چھوڑ دو اور اُن کو سزا دو، (تدبر قرآن، ج: 2، ص: 290، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)۔“ خود علامہ غامدی کا ترجمہ یہ ہے: ”(میاں اور بیوی کے تعلق میں بھی اسی اصول کے مطابق) مرد عورتوں کے سربراہ بنائے گئے ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ (اپنے شوہروں کی) فرمانبردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔ اور (اسی اصول پر تم کو حق دیا گیا ہے کہ) جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں نصیحت کرو اور ان کے بستر پر انہیں تنہا چھوڑ دو اور (اس پر بھی نہ مانتیں تو) انہیں سزا دو، (البیان، ج: 1، ص: 490-91، ٹوپیکل پرنٹنگ پریس لاہور)۔“ سو ”فَاصْطِرْبُوهُنَّ“ کا ترجمہ دونوں حضرات نے ”سزا دینا“ کیا ہے اور مار ماراؤ یوک پکٹھال نے اس لفظ کا ترجمہ ”and scourge them“ کیا ہے، جس کا اردو میں سب سے نرم ترجمہ ”سزا دینا، تادیب کرنا“ کیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ مولانا شیرانی علامہ غامدی کا ترجمہ لے لیں، فرق کوئی نہیں پڑے گا۔ اپنی اپنی قسمت ہے کہ مولانا شیرانی دقیقاً نو سی کہلائیں اور علامہ غامدی لبرل، مولانا مودودی نے بھی اس لفظ کا ترجمہ ”مارو“ کیا ہے۔ سو کیا فرماتی ہیں: ”این جی اوز کی بیگمات اور ہمارے لبرل اینکر پرسنز سچ اس مسئلہ کے“، کیا وہ علانیہ قرآن کا انکار کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں؟۔ پس نظری اعتبار سے تو قرآن کا حکم موجود ہے، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ حکومت کی ایڈوائس یارائے طلب کیے بغیر اسلامی نظریاتی کونسل کا ان مسائل کو زیر بحث لانے کی حکمت کیا ہے۔